فتویٰ نویسی کا تاریخی ارتقاء

از: پروفیسر مولانا محمد انس حسان
گورنمنٹ ڈگری کالج جہانیاں، پاکستان

پیش آمدہ واقعات کے بارے میں دریافت کرنے والے کو دلیل شرعی کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے حکم کے بارے میں خبر دینے کو فتویٰ کہتے ہیں (۱)۔ فتویٰ لغوی اعتبار سے اسمِ مصدر ہے اور اس کی جمع ''فتاویٰ'' ہے، اس کا مادہ (ف۔ت۔ی) ہے۔

قرآنِ کریم میں لفظ فتویٰ اپنے مشتقات کے اعتبار سے مختلف مقامات پر اکیس بار استعمال ہوا ہے۔ ان میں سے دس مقامات پر تو یہ لفظ اپنے لغوی معنوں میں استعمال ہوا ہے؛ جبکہ گیارہ مقامات پر یہ لفظ تحقیق و تدقیق کے معنوں میں آیا ہے۔

احادیث مبارکہ میں بھی یہ لفظ بکثرت استعمال ہوا ہے۔ ان احادیث مبارکہ میں یہ لفظ اپنے اصطلاحی معنوں میں مستعمل ہے۔ فتویٰ دینے والے شخص کو مفتی (۲) فتویٰ لینے والے کو مستفتی (۳) اور سوال کو استفتاء کہتے ہیں (۴)۔

فتویٰ ایک اہم ذمہ داری ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مفتی شارع کے نائب کی حیثیت سے دینی معاملات میں لوگوں کی رہنمائی کرتا ہے۔ اس کی اسی اہمیت کے پیش نظر فتویٰ نویسی کے اصول وقواعد کو باقاعدہ فن کی شکل دی گئی اور اس فن کو ''رسم المفتی'' سے تعبیر کیا گیا۔

فتویٰ مسلم معاشرہ میں بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اس کی اساس قرآن کریم کی درج ذیل آیت ہے:

فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (۵)

ترجمہ: پس اگر تمہیں معلوم نہ ہو تو علم والوں سے پوچھ لو۔

قرآن کریم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داریوں کا تعین کرتے ہوئے فرمایا:

لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ (۶)

ترجمہ: ''آپؐ بیان کردیجیے لوگوں کے سامنے وہ چیز جو ان کی طرف نازل کی گئی''۔

یہی وجہ ہے کہ مسلم معاشرہ میں فتویٰ نویسی کو بڑی اہمیت حاصل رہی ہے؛ چونکہ ایک مسلمان کو دینی اور دنیاوی معاملات میں جدید مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے؛ اس لیے مسلم معاشرہ میں اس کی موجودگی ضروری ہوجاتی ہے۔ نبی کریمؐ کے دور سے لے کر اب تک علماء نے اس اہم ذمہ داری کو نبھایا اور اس کے اصول، شرائط اور آداب پر بھی سیر حاصل گفتگو کی ہے۔ ابن الصلاح کے مطابق افتاء کے لیے مرد ہونا ضروری نہیں؛ بلکہ مرد، عورت، غلام حتیٰ کہ گونگا شخص بھی فتویٰ دے سکتا ہے (۷)۔ چنانچہ نبی کریمؐ کے زمانے میں ازواج مطہرات فتویٰ دیا کرتی تھیں۔ شیخ سعید فائز الدخیل نے حضرت عائشہؓ کے تمام فتاویٰ جات کو کتابی شکل میں شائع کیا ہے (۸)۔ فقہ حنفی کی مشہور کتاب ''بدائع الصنائع'' کے مولف علامہ علاؤالدین کاسانیؒ کی اہلیہ فاطمہ فتویٰ دیا کرتی تھیں (۹)۔ اسی طرح ڈاکٹر عمر رضا کحالہ نے ''أعلام النساء'' میں فتویٰ دینے والی عورتوں کی کافی تفصیل فراہم کی ہے (۱۰)۔

مفتی اور قاضی کو عام طور پر مترادف سمجھا جاتا ہے؛ لیکن ان میں فرق ہے۔ شیخ وہبۃ الزحیلی کے مطابق مفتی اور قاضی میں محض اتنا فرق ہے کہ

''مفتی اطلاع دینے والا اور قاضی اسے لازم کرنے والا ہوتا ہے'' (۱۱)۔

چنانچہ مفتی کے فتویٰ کی حیثیت عمومی ہوتی ہے؛ جبکہ قاضی کا فیصلہ ایک خاص واقعہ سے متعلق ہوتا ہے۔ لیکن یہ دونوں خوبیاں ایک شخص میں اکٹھی بھی ہوسکتی ہیں۔ جیسا کہ عہد صحابہؓ میں بعض صحابہؓ فتویٰ بھی دیتے تھے اور قاضی بھی تھے۔

فتاویٰ دراصل مسلم معاشرہ کے اقتصادی، معاشی، سیاسی اور سماجی مسائل کے عکاس ہوتے ہیں۔ ان سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ ایک مخصوص معاشرہ کے لوگ ایک مخصوص وقت اور حالات میں کن مسائل کا شکار تھے؟ معاشرتی تغیرات اور علمی وفکری اختلافات کی نوعیت کیا تھی؟ ان مسائل کے حل کے لیے اس دور کے اہلِ علم نے کس نہج پر سوچ وبچار کی اور کن اصولوں کو پیش نظر رکھا؟ نیز ان فتاویٰ نے مسلم معاشرہ پر کتنے گہرے اثرات مرتب کیے؛ چنانچہ امام مالکؒ، امام ابوحنیفہ، امام احمد بن حنبل، امام مالک، ابن تیمیہؒ اور برصغیر میں شاہ عبدالعزیز دہلوی کے فتاویٰ نے مسلم معاشرہ پر بڑے گہرے اثرات مرتب کیے۔ بہت سے علماء کے فتاویٰ انقلابی اور فکری تحریکات کا باعث بنے۔

تاہم بعض فتاویٰ مسلم معاشرہ میں فکری انتشار کا باعث بھی بنے اور یہ عمل برصغیر میں مسلمانوں کے زوال کے بعد شروع ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ بارہ سو سال میں اتنے فتاویٰ نہیں دیے گئے جتنے برصغیر کے دوسو سالہ غلامی کے زمانے میں جاری کیے گئے۔ اس دور میں ہمیں فتاویٰ میں

شدت پسندی نیز مسلکی وسیاسی تکفیر کا عنصر بڑا واضح طور پر نظر آتا ہے۔

نبی کریم ﷺ کے عہد میں فقہ وفتاویٰ سے متعلق جملہ امور آپؐ کی ذات سے وابستہ تھے۔طریقہ یہ تھا کہ جب کوئی مشکل مسئلہ پیش آتا تو مسلمان آں حضرت ﷺ کی طرف رجوع کرتے ؛ کیونکہ جملہ امور میں آپؐ ہی شارحِ اسلام اور مرجعِ خلائق تھے۔

صحابۂ کرامؓ ہر اہم مسئلہ میں آپؐ کی جانب متوجہ ہوتے۔صحابۂ کرامؓ کے ان سوالات کے جوابات اکثر قرآنی آیات کی صورت میں نازل ہوئے۔اس حوالہ سے قرآن کریم نے درج ذیل اصطلاحات استعمال کی ہیں۔

یَسۡتَفۡتُوۡنَکَ ’’آپؐ سے فتویٰ پوچھتے ہیں‘‘۔

یَسۡئَلُوۡنَکَ ’’آپؐ سے سوال کرتے ہیں‘‘۔

قرآن کریم میں یہ الفاظ سترہ مختلف مقامات پر استعمال ہوئے ہیں(۱۲)۔جس سے اس کی اہمیت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ان پوچھے گئے امور کی وضاحت بھی دراصل آپؐ کے فرضِ منصبی میں شامل تھا۔ارشاد باریٰ تعالیٰ ہے:

لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيۡهِمۡ (۱۳)

ترجمہ:’’آپؐ بیان کردیجیے لوگوں کے سامنے وہ چیز جو ان کی طرف نازل کی گئی ہے‘‘۔

بعض اوقات صحابۂ کرامؓ کے سوالات کے جوابات نبی کریمؐ اپنے ارشادات سے بھی دیتے تھے؛چنانچہ کتبِ حدیث اور کتبِ سیرت میں ان پوچھے گئے سوالات کے جوابات ملتے ہیں۔نبی کریمؐ کے عہد میں تحریری وتقریری دونوں طرح سے فتویٰ دیا جاتا تھا(۱۴)۔حضرت عمرؓ نے ایک بدوی کو اس بنا پر قتل کردیا تھا کہ وہ نبی کریم ﷺ سے فتویٰ لے کر دوبارہ حضرت عمرؓ سے اس پر نظرِ ثانی چاہتا تھا۔

علماء کرام نے نبی کریم ﷺ کے فتاویٰ کو ایک جگہ اکٹھا کرنے کی کوشش بھی کی ہے؛چنانچہ علامہ ابن قیم جوزیؒ نے اپنی کتاب ”إعلام الموقِّعين“،میں نبی کریمؐ کے بارہ سو فتاویٰ کو جمع کیا ہے(۱۵)۔اسی طرح مولانا سید اصغر حسین دیوبندیؒ نے ’’فتاویٰ محمدی مع شرح دیوبندی‘‘ میں نبی کریمؐ کے کل ایک سو بیس فتاویٰ مع ترجمہ اکٹھے کیے ہیں(۱۶)۔

نبی کریمؐ کے عہد کے ان فتاویٰ پر علامہ ابن قیمؒ کا تبصرہ یہ ہے کہ

’’آپؐ کے فتوے جامعِ احکام اور فیصلہ کن ارشادات پر محیط ہوا کرتے تھے۔یقیناً پیروی کے اعتبار سے کتاب اللہ کے بعد دوسرا درجہ آپؐ کے فتاویٰ کا ہے اور مومنین کے لیے کسی بھی

صورت میں ان سے انحراف ممکن نہیں'' (۱۷)۔

آج کل فتویٰ دینے کا جو طریقہ ہمارے ہاں رائج ہے، وہ صرف جائز و ناجائز اور حلال وحرام کی صراحت کردینے کا نام ہے؛ لیکن نبی کریمؐ کا اسلوب افتاء اس سے مختلف تھا۔ اگرچہ آپؐ کا قول بذات خود حجت تھا؛ مگر آپ پیش آمدہ مشکلات کے حل کی وضاحت اور اس کی علت بھی بتا دیتے تھے۔ اس حوالہ سے شیخ محمد شفیق العانی فرماتے ہیں:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فتاویٰ اپنی زندگی میں صادر فرمائے۔ وہ جامع ترین احکام پر مشتمل تھے اور مسائل کے استنباط کے سلسلے میں سرچشمہ کی حیثیت رکھتے تھے'' (۱۸)۔

نبی کریمؐ کے بعد صحابۂ کرامؓ بالخصوص خلفاء راشدین کا عہد فتویٰ نویسی کے حوالے سے اہم ہے۔ خلفاء راشدین کے ان احکامات، مکاتیب اور فتاویٰ جات کو پروفیسر خورشید احمد فاروق نے چار الگ الگ جلدوں میں شائع کیا ہے۔

صحابۂ کرامؓ کے دور میں کئی جدید مسائل سامنے آئے جن پر غور وخوض کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اس دور میں قرآن وسنت کے علاوہ اجماع اور قیاس کا اضافہ ہوا اور اجماع کو منظّم شکل دی گئی اور رائے کے استعمال کے لیے فقہی قواعد واصول منضبط ہوئے۔

اس دور میں فتووں کے حوالے سے صحابۂ کرامؓ میں اختلاف بھی رونما ہوا۔ مولانا تقی امینیؒ نے صحابۂ کرامؓ کے اختلافات کے درج ذیل اسباب بیان فرمائے ہیں۔

(۱) قرآن کریم کو سمجھنے میں اختلاف

(۲) حدیث کی لاعلمی کی وجہ سے اختلاف

(۳) حدیث کے قبول کرنے میں اختلاف

(۴) رائے کی وجہ سے اختلاف (۱۹)

صحابۂ کرامؓ میں چار طرح کے لوگ تھے۔

پہلا طبقہ: صحابۂ کرامؓ کا پہلا طبقہ وہ ہے جن سے بہت زیادہ فقہی مسائل منسوب ہیں۔ یہ حضرات خلفاء راشدین ہیں۔

دوسرا طبقہ: یہ طبقہ مخصصین کا ہے۔ اس طبقہ کو فقہی حوالے سے بہت زیادہ شہرت حاصل ہوئی۔ ان میں عبداللہ بن مسعود، معاذ بن جبل، ابوموسیٰ اشعری اور زید بن ثابتؓ وغیرہ شامل ہیں۔

تیسرا طبقہ: یہ طبقہ مکثرین کا ہے یعنی جن سے بہت زیادہ اجتہادات اور فتاویٰ منقول ہیں۔

چوتھا طبقہ: یہ طبقہ مقلین کا ہے۔ان لوگوں سے بہت کم فتاویٰ منقول ہیں (۲۰)۔

اس دور میں استنباط صرف ان فتووں تک محدود تھا جو وہ لوگ دیتے تھے؛ جن سے کسی واقعہ کے متعلق سوال کیا جاتا تھا۔ یہ لوگ مسائل کے اثبات اور ان کے جوابات میں بہت زیادہ پاؤں نہیں پھیلاتے تھے؛ بلکہ اس کو مکروہ سمجھتے تھے۔اور جب تک کوئی مسئلہ پیدا نہ ہوجاتا اس کے متعلق اپنی رائے ظاہر نہیں کرتے تھے؛ البتہ جب مسئلہ پیدا ہوجاتا تھا تو اس کے لیے استنباط حکم میں اجتہاد کرتے تھے۔یہی وجہ ہے کہ کبارِ صحابہؓ سے جو فتوے منقول ہیں ان کی تعداد بہت کم ہے۔

صحابۂ کرامؓ کے فتاویٰ کے حوالے سے علامہ خضریؒ لکھتے ہیں کہ:

''اس دور میں فتاویٰ زیادہ تر زبانی روایت ہوتے رہے؛ لیکن بعض فتاویٰ تحریر میں بھی آئے، جن میں سے بعض تو وہ تھے جو خلفاء راشدین کے سرکاری احکام کی شکل میں قلمبند ہوکر مختلف دیار وامصار کو ارسال ہوتے رہے اور بعض فتاویٰ انفرادی کوششوں سے بھی قلمبند کیے گئے'' (۲۱)

صحابۂ کرامؓ فتویٰ نویسی میں کمالِ احتیاط ملحوظ رکھتے تھے۔وہ اپنی رائے کا اظہار کم سے کم کرتے تھے۔ ہر مسئلہ قرآن وسنت اور اجماع کی روشنی میں حل کرنے کی کوشش کرتے تھے۔

صحابۂ کرامؓ کے بعد تابعین اور تبع تابعین کا دور آتا ہے۔اس دور میں منصبِ افتاء اجلۂ تابعین کے سپرد رہا۔ان میں سے بعض تو ایسے بزرگ بھی تھے جو صحابۂ کرامؓ کی موجودگی میں بھی فتویٰ دیتے تھے۔مثلاً سعید بن المسیبؒ اور سعید بن جبیرؒ وغیرہ (۲۲)۔

تابعین اور تبع تابعین نے صحابۂ کرامؓ کے فقہی افکار اور فتاویٰ کی روشنی میں اس کو باقاعدہ ایک فن کی شکل دیدی۔اسی دور میں صحابۂ کرامؓ کے شاگردانِ رشید نے ان کی آراء اور فتاویٰ کو عام کیا اور بہت سے فقہی مکاتب ومالک وجود میں آئے۔اس دور کے بچ جانے والے فقہی مسالک کو مجتہدین کا دور کہا جاتا ہے۔جو درج ذیل ہیں۔

۱- فقہ حنفی (امام ابوحنیفہؒ) ۵- فقہ جعفری (امام جعفر صادقؒ)
۲- فقہ شافعی (امام شافعیؒ) ۶- فقہ اباضی (امام عبداللہ بن اباضؒ)
۳- فقہ مالکی (امام مالکؒ) ۷- فقہ ظاہری (امام داؤد ظاہریؒ)
۴- فقہ حنبلی (امام احمد بن حنبلؒ) ۸- فقہ اوزاعی (امام اوزاعیؒ)

ان تمام حضرات میں سے اولین چار فقہاء کو شہرت حاصل ہوئی۔

ان میں سے امام ابوحنیفہؒ نے فتویٰ نویسی کے حوالے سے اجتماعی رائے کو ترجیح دی۔

انھوں نے چالیس فقہاء کی ایک مجلس قائم کی جو باہمی غور وخوض کے بعد مسئلہ کا حل تلاش کرتی اور پھر اس مسئلہ کو لکھ لیا جاتا۔ امام صاحبؒ کی اس مجلس نے بڑی تعداد میں فتاویٰ اکھٹے کیے۔ امام صاحبؒ کے دور میں کوفہ میں تین بڑے فقہیہ بھی موجود تھے جو درج ذیل ہیں۔

(۱) سفیان بن سعید ثوریؒ

(۲) شریک بن عبداللہ نخعی

(۳) عبدالرحمن بن ابی لیلیٰؒ

ان حضرات سے فقہی آراء اور فتاویٰ کے حوالے سے امام صاحب کی علمی بحث چلتی رہتی تھی۔ اس دور کی فتویٰ نویسی اور اس دور کے علماء کے علمی اور فکری اختلافات اور دلائل وبراہین دیکھ کر عقل حیران رہ جاتی ہے۔ بہرحال امام صاحبؒ کے فقہی افکار میں تنوع اور گہرائی پائی جاتی ہے۔ وہ ان مسائل پر بھی غور وفکر کرنے اور کسی نتیجہ میں پہنچنے کے عادی تھے جو ابھی معرضِ وجود میں ہی نہ آئے تھے۔

امام شافعیؒ نے بھی اصولِ فقہ کے موضوع پر پہلی کتاب ''الرسالة'' تحریر کی نیز اپنے فتاویٰ کو پہلے ''الحجه'' اور پھر ''کتاب الام'' میں جمع کیا۔ امام شافعیؒ کے انتقال سے چار سال قبل کے فتاویٰ ان کی کتاب ''الحجہ'' میں منقول تھے جو نایاب ہے؛ مگر بعد میں آپؒ نے اپنے قدیم فتاویٰ پر غور وفکر کیا اور انھیں ''کتاب الام'' کی چار جلدوں میں لائے۔ ان کے پہلے فتاویٰ کو قولِ قدیم اور بعد کے فتاویٰ کو قولِ جدید کہتے ہیں۔

امام مالکؒ بھی حدیث اور فقہ کے امام تھے۔ ان کی کتاب ''الموطاء'' احادیثِ مبارکہ اور ان کے فقہی افکار کا مجموعہ ہے۔ وہ فتویٰ دینے کے حوالے سے اگرچہ بہت محتاط تھے؛ مگر ان کے فتاویٰ کا کافی بڑا ذخیرہ محفوظ کرلیا گیا ہے۔

امام احمد بن حنبلؒ نے اگرچہ مسند امام حنبل کی تدوین کی؛ مگر اس کے ساتھ ساتھ ان کے فقہی افکار کا ایک بڑا مجموعہ بھی ہے۔ امام صاحب اپنے اقوال وآراء اور فتاویٰ کے لکھنے کے سخت مخالف تھے؛ مگر ان کے شاگرد جیش بن سندی نے دو جلدوں میں ان کے فتاویٰ اور مسائل جمع کیے اور ابوبکر خلال نے بھی ''الجامع الکبیر'' کی بیس جلدوں میں ان کے مسائل اکٹھا کیے۔

ائمۂ مجتہدین کے دور میں فتویٰ نویسی کے حوالے سے اجتہاد سے کام لیا جاتا تھا۔ مسائل کی کثرت اور سلطنت کی وسعت نے جدید مسائل پر غور وخوض کرنے پر امادہ کیا۔ اصول فقہ کی تدوین بھی اسی دور میں ہوئی۔ اس دور میں قیاس اور استحسان کو ماخذِ شریعت قرار دینے پر اختلاف ہوا۔ اسی

اختلاف کے نتیجے میں اہل الرائے اور اہل الحدیث کے مکاتب وجود میں آئے۔

ائمہٴ مجتہدین کے اس دور میں اگرچہ اختلافات سامنے آئے؛ لیکن ان فقہی اختلافات میں اس درجہ شدت نہیں تھی کہ ایک دوسرے کی رائے کا احترام نہ کیا جائے۔

امام بغویؒ نے اپنے فتاویٰ خود جمع کیے اور ان کی زندگی ہی میں قاضی حسین نے ان سے مزید فتاویٰ حاصل کیے اور ان پر تعلیقات لکھیں (۲۳)۔ اسی طرح علامہ سُبکی نے بھی دو جلدوں میں فتاویٰ اکٹھا کیے۔ علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے بھی ''**الحاوی للفتاویٰ**'' کے نام سے اپنے فتاویٰ کتابی شکل میں جمع کیے۔ اس دور کے فتاویٰ میں تجدید احیائے دین کے مسائل پر غور وخوض ہوا۔ بروکلمان نے تاریخِ ادبیات میں تیسری صدی ہجری سے گیارہویں صدی ہجری تک کے ایک سو دو عربی مجموعہ ہائے فتاوی کی فہرست دی ہے (۲۴)۔

اس دور میں سلطنتِ عثمانیہ کے زیرِسایہ ایک جامع فقہی کتاب مرتب کی گئی جس کا نام ''**مجلة الأحكام العدليه**'' رکھا گیا۔ سلطنت عثمانیہ نے اسے ملکی قانون کے طور پر رائج کردیا۔ اس کتاب میں تمام فقہاء کے فقہی افکار سے استفادہ کیا گیا۔ اس کا آغاز ۱۸۵۶ء میں ہوا اور ۱۸۷۶ء میں یہ کام مکمل ہوگیا۔ اس کتاب کو سولہ حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا اور جملہ فقہی مسائل کا احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی تھی، یہ سلطنتِ عثمانیہ کا پہلا مدون قانون تھا جو فقہ اسلامی سے بالعموم اور فقہ حنفی سے بالخصوص ماخوذ تھا (۲۵)۔ اس کام کے بہت دور رس نتائج برآمد ہوئے اور فقہ اسلامی ایک جدید دور میں داخل ہوگئی۔ اس حوالہ سے ڈاکٹر محمود احمد غازی لکھتے ہیں:

''جب بیسویں صدی کا آغاز ہوا تو ''**مجلة الأحكام العدليه**'' پوری سلطنتِ عثمانیہ کی حدود مشرقی یورپ کے کئی ممالک، ترکی، وسط ایشیاء کا کچھ حصہ، عراق، شام، فلسطین، لبنان، الجزائر، لیبیا، تیونس اور جزیرہ عرب کے بعض علاقوں تک پھیلی ہوئی تھی۔ گویا ۱۸۷۶ء سے لے کر ۱۹۲۵ء تک کا زمانہ ''**مجلة الأحكام العدليه**'' کی حکمرانی کا زمانہ تھا'' (۲۶)۔

انگریز کے نوآبادیاتی نظام نے عرب ممالک کو فقہی قانون سازی پر توجہ دلائی؛ چنانچہ استاد عبدالقادر عودہ نے ''**التشريع الجنائى الإسلامى**'' نامی کتاب لکھی۔ اسی طرح استاد مصطفیٰ احمد زرقا نے بھی ایک زبردست کام کیا۔ انھوں نے **الموسوعة الفقهية**'' نام کا فقہی انسائیکلوپیڈیا تیار کیا، جسے پینتالیس جلدوں میں کویت کے وزارتِ اوقاف نے شائع کیا۔ یہ کام چالیس سال کی محنت کے بعد مرتب ہوا۔ اس کا اردو ترجمہ بھی ''اسلامی فقہ اکیڈمی'' انڈیا سے شائع ہورہا ہے۔

اسی طرز کا ایک موسوعہ مصر نے بھی شائع کیا ہے جو دس جلدوں میں شائع ہوا ہے۔

خلافتِ عثمانیہ کے خاتمے کے بعد اگرچہ ''مجلة الأحكام العدلية'' کا اثر کم ہوگیا؛ مگر ''فتاویٰ عالمگیری'' کے بعد اس جیسا منظّم کام دوبارہ نہیں ہوا (۲۷)۔

برصغیر میں فتویٰ نویسی کا سلسلہ چوتھی صدی ہجری کے بعد شروع ہوا۔ جب اس براعظم میں آزاد سلطنتیں قائم ہوئیں تو فتووں کا سلسلہ بھی شروع ہوا۔ جگہ جگہ مساجد و مدارس قائم ہوئے اور علماءِ کرام نے باقاعدہ فتویٰ نویسی کا آغاز کیا۔ مسلمانوں سے غیرمسلموں نے بھی استفسارات کیے ہیں؛ چنانچہ اس قسم کے استفسارات کا حال بزرگ بن شہریار کی کتاب ''عجائبُ الہند'' سے معلوم ہوتا ہے (۲۸)۔

ہندوپاک کے مسلمان بادشاہوں کو فقہ اسلامی سے خاص دلچسپی تھی۔ سلطان محمود غزنوی زبردست فقیہ تھے۔ انھوں نے ''التفريد في الفروع'' نامی کتاب لکھی جس میں فتاویٰ اور فقہی مسائل ذکر کیے گئے ہیں۔ اسی طرح ظہیرالدین بابر نے بھی اصول مذاہب پر ایک کتاب لکھی تھی (۲۹)۔

ان مسلمان بادشاہوں نے درج ذیل کتبِ فتاوی میں خصوصی دلچسپی لی:

(۱) فتاویٰ فیروزشاہی (۲) فتاویٰ ابراہیم شاہی (۳) فتاویٰ اکبرشاہی

(۴) فتاویٰ عادل شاہی (۵) فتاویٰ تاتارخانی (۶) فتاویٰ عالمگیری

فتاویٰ عالمگیری کو ان سب میں زیادہ شہرت حاصل ہوئی۔ یہ کتاب اصلاً عربی زبان میں لکھی گئی تھی۔ بعد میں عالمگیر نے مولانا عبداللہ رومی سے اس کا فارسی ترجمہ کروایا۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ مولانا امیر علی لکھنوی نے ''فتاویٰ ہندیہ'' کے نام سے کیا (۳۰)۔

ان فتاویٰ کی اہم بات یہ ہے کہ یہ فتاویٰ ایک آزاد ریاست میں اجتماعی مفادات اور ملکی قانون کے طور پر مرتب کیے گئے تھے۔ اس کے بعد برصغیر میں انگریزوں کے تسلط نے مسلم پرسنل لا کی بنیاد رکھی۔ اس دور میں نجی فتووں کی بنیادیں بھی مضبوط ہوئیں۔ ڈاکٹر جلال الدین احمد نوری اس حوالے سے لکھتے ہیں:

''نجی فتووں کے زیادہ تر مجموعے اس وقت نظر آتے ہیں جب مسلمان دورِ غلامی میں داخل ہوئے؛ چنانچہ ۱۸۵۷ء سے کچھ قبل اور بعد میں مختلف زبانوں میں عموماً اور اردو زبان میں خصوصاً اس قسم کے مجموعوں کا پتہ چلتا ہے'' (۳۱)۔

برصغیر ہندوپاک میں جو فتاویٰ مرتب ہوئے وہ اکثر حنفی علماء کے ہیں، اگرچہ جنوبی ہندوستان میں اس حوالے سے شافعی علماء کا بھی کام موجود ہے؛ مگر وہ نہ ہونے کے برابر ہے۔

ذیل میں ہم برصغیر کے چند علماء کے فتاویٰ کی فہرست دیتے ہیں:

(۱) فتاویٰ عزیزی (شاہ عبدالعزیز دہلوی) (۲) مجموعۃ الفتاویٰ (عبدالحی لکھنوی)
(۳) جامع الفتاویٰ (عبدالفتاح حسینی نقوی) (۴) فتاویٰ مسعودی (مسعود شاہ دہلوی)
(۵) فتاویٰ رشیدیہ (رشید احمد گنگوہی) (۶) فتاویٰ ارشادیہ (ارشاد حسین رامپوری)
(۷) فتاویٰ محبوبیہ (احمد حسین خان امروہی) (۸) فتاویٰ قادریہ (مولانا عبدالقادر)
(۹) فتاویٰ عثمانی (مظہرالحق انصاری) (۱۰) فتاویٰ عثمانی (سید منورالدین)
(۱۱) مجموعۂ آگرہ (نواب صدیق حسن خان) (۱۲) فتاویٰ بے نظیر (عبدالغفار لکھنوی)
(۱۳) فتاویٰ نظامیہ اُندراویہ (نظام الدین اعظمی) (۱۴) نظام الفتاویٰ (نظام الدین اعظمی)
(۱۵) فتاویٰ نظامیہ (نظام الدین حنفی) (۱۶) فتاویٰ مظاہر علوم (خلیل احمد سہارنپوری)
(۱۷) امدادالفتاویٰ (اشرف علی تھانوی) (۱۸) کفایت المفتی (کفایت اللہ دہلوی)
(۱۹) عزیزالفتاویٰ (عزیزالرحمٰن عثمانی) (۲۰) امدادالاحکام (ظفر احمد عثمانی)
(۲۱) فتاویٰ رحیمیہ (مفتی عبدالرحیم) (۲۲) فتاویٰ محمودیہ (محمود حسن گنگوہی)
(۲۳) کتاب الفتاویٰ (خالد سیف اللہ رحمانی) (۲۴) فتاویٰ عثمانی (محمد تقی عثمانی)
(۲۵) نوادرالفقہ (رفیع عثمانی) (۲۶) فتاویٰ محمود (مفتی محمود)
(۲۷) خیرالفتاویٰ (خیر محمد جالندھری) (۲۸) فتاویٰ رضویہ (احمد رضا خان بریلوی)
(۲۹) فتاویٰ مہریہ (پیر مہر علی شاہ) (۳۰) فتاویٰ حامدیہ (حامد رضا خان)
(۳۱) فتاویٰ امجدیہ (امجد علی اعظمی) (۳۲) فتاویٰ اجملیہ (اجمل قادری رضوی)
(۳۳) فتاویٰ مظہری (مظہر اللہ دہلوی) (۳۴) ریاض الفتاویٰ (ریاض الحسن)
(۳۵) فتاویٰ نعیمیہ (احمد یار خان نعیمی) (۳۶) فتاویٰ نوریہ (نوراللہ بصیرپوری)
(۳۷) ضیاء الفتاویٰ (قاضی محمد ایوب) (۳۸) احسن الفتاویٰ (خلیل احمد برکاتی)
(۳۹) فتاویٰ امینیہ (محمد امین) (۴۰) فتاویٰ اویسیہ (فیض احمد اویسی)
(۴۱) فتاویٰ پاسبانی (مشتاق احمد نظامی) (۴۲) فتاویٰ شیخ الاسلام (حسین احمد مدنی)
(۴۳) جامع الفتاویٰ (مہربان علی) (۴۴) فتاویٰ قاضی (مجاہدالاسلام قاسمی)
(۴۵) فتاویٰ دارالعلوم (مفتی عزیزالرحمٰن) (۴۶) فتاویٰ ریاض العلوم
(مفتیان مدرسہ ریاض العلوم گورینی)

ان کے علاوہ بھی بے شمار کتب فتاویٰ ہیں جو یا تو غیر مطبوعہ ہیں یا ایک ہی مرتبہ شائع ہوئے۔ یہ تمام فتاویٰ دراصل انیسویں اور بیسویں صدی کی علمی وفکری تحریکات، فسادات، مسلم معاشرت، سائنسی اور صنعتی انقلابات اور انگریزی ثقافت کے اثرات کا بہترین مطالعہ ہیں۔ان فتاویٰ میں برصغیر کے بیانیہ ادب کا جائزہ بھی لیا جاسکتا ہے۔اس دور کے مجموعہ ہائے فتاویٰ کو دیکھتے ہوئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ فتاویٰ کا سنہری دور ہے۔

(۱) ہر دور کے فتاویٰ میں اس دور کا رنگ نظر آتا ہے۔

(۲) قرآن وحدیث اور فقہی کتب سے استفادہ کیا جاتا ہے۔

(۳) اکثر عبارت بلاترجمہ دی جاتی ہے جو مستفتی کے لیے غیر مانوس ہوتی ہے۔

(۴) جدید مسائل کے حوالے سے بعض فتاویٰ میں لاعلمی کا اظہار ہے۔

(۵) زبان اور اسلوب کے حوالے سے بھی قدیم فتاویٰ کی پیروی کی جاتی ہے۔

(۶) ان فتاویٰ میں اپنے پیش رو فتاویٰ کے حوالے بھی ملتے ہیں۔

عثمانی سلطنت کا زوال مغرب کے عسکری وسیاسی غلبے اور نوآبادیاتی دور کے آغاز کے ساتھ ہوا۔اس دوران برصغیر اور دیگر کئی ممالک نوآبادیاتی نظام کے زیر تسلط آئے۔سامراجی طاقتوں نے ان ممالک میں اپنے ملک کے قوانین پبلک لا کے طور پر رائج کیے؛ تاہم ذاتی زندگی میں مسلمان پرسنل لا، کی پابندی کرتے رہے۔اس طرح کم ازکم عائلی زندگی کی حد تک ان کا تعلق اسلامی قانون سے قائم رہا، یہ کام اس دور کے مفتیان نے سرانجام دیا۔

بیسویں صدی کے نصف آخر میں نوآبادیاتی نظام کا خاتمہ ہوا اور مسلم ممالک نے آزادی کے بعد اس بات کی ضرورت محسوس کی کہ قرآن وسنت کی روشنی میں ملکی قوانین کا جائزہ لیں۔اس حوالے سے درج ذیل ادارے وجود میں آئے:

(۱) اسلامی نظریاتی کونسل (پاکستان)

(۲) ادارہ تحقیقات اسلامی (پاکستان)

(۳) ہیأۃ کبار العلماء (سعودی عرب)

(۴) المجمع الفقہ الاسلامی (سعودی عرب)

(۵) اسلامک فقہ اکیڈمی (ہندوستان)

(۶) ادارہ مباحث فقہیہ (جمعیۃ علماء ہند)

(۷) امارت شرعیہ پھلواری شریف (ہندوستان)

(۸) مجمع البحوث الاسلامیہ (مصر)

(۹) مجمع الفقہ الاسلامی (جنوبی امریکہ)

ان اداروں کے علاوہ بھی کئی دیگر ادارے اس پر کام کررہے ہیں اور جدید مسائل کے حوالے سے ان کے اجتماعی فتاویٰ یعنی قراردادیں وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہتے ہیں۔

ان اداروں کے باوجود نجی سطح کے فتاویٰ بھی اب دینی مدارس کے تحت لوگوں کی رہنمائی کررہے ہیں جو عدالتی نظام میں کسی حدتک قابلِ قبول ہیں؛ مگر عملی طور پر عدالتی نظام میں ان کا بہت زیادہ کردار نہیں ہے، اس کے باوجود لوگ ان نجی فتاویٰ پر بہت اعتماد کرتے ہیں۔

دورِ حاضر میں فتویٰ نویسی کے حوالے سے علماء کو کئی جدید چیلنجز کا سامنا ہے، جن میں سے چند درج ذیل ہیں:

(1) عقائد وعبادات

قادیانیت، رویئت ہلال، توہین رسالت کی سزا وغیرہ۔

(2) طبی وسائنسی مسائل

خاندانی منصوبہ بندی، اعضاء کی پیوندکاری، ٹیسٹ ٹیوب بے بی اور کلوننگ، ایڈز سے متعلقہ احکام وغیرہ۔

(3) قانون سازی

ملکی قوانین کو اسلامی قانون سے ہم آہنگ کرنا، مثلاً حدود اور قصاص ودیت کے مسائل۔

(4) جدید ایجادات

ٹی وی، انٹرنیٹ، کمپیوٹر اور دیگر جدید ایجادات کی شرعی حیثیت کا تعین کرنا۔

(5) اقتصادی مسائل

انشورنس، اسٹاک ایکسچینج، کریڈٹ کارڈ، زکوٰۃ کی ادائیگی کا مسئلہ، سود اور بینکاری کی شرعی حیثیت کا تعین کرنا۔

(6) عائلی زندگی

عائلی زندگی سے متعلق احکام یعنی نکاح، طلاق، خلع اور وراثت کے مسائل وغیرہ۔

❁ ❁ ❁

حوالہ جات

(۱) شیخ حسین محمد ملاح، الفتویٰ نشأتہا وتطورہا، ج۱، ص ۳۹۸، دارالفکر، دمشق۔
(۲) بلیاوی، عبدالحفیظ، مصباح اللغات، ص ۶۱۸، قدیمی کتب خانہ کراچی۔
(۳) فیروزالدین، فیروز اللغات، ص۹۱، فیروز سنز لاہور۔
(۴) مصباح اللغات، ص ۶۱۸۔
(۵) الانبیاء: ۷۔
(۶) النحل: ۴۴۔
(۷) ابن صلاح، ادب المفتی والمستفتی، ص۴۲، میر محمد کتب خانہ کراچی۔
(۸) سعید فائز الدخیل، موسوعہ فقہ عائشہ ام المومنین، دارالنفائس، بیروت، ۱۹۸۹ء۔
(۹) محمود احمد غازی، ڈاکٹر، محاضرات فقہ، ۴۹۳، الفیصل ناشران وتاجران کتب لاہور۔
(۱۰) کحالہ، عمررضا، اعلام النساء فی عالم الادب والاسلام، موسسۃ الرسالۃ، بیروت۔
(۱۱) وہبۃ الزحیلی، الفقہ الاسلامی وادلتہ، ج۱، ص۴۹، دارالفکر، دمشق۔
(۱۲) فواد عبدالباقی، المعجم المفہرس لالفاظ القرآن الکریم، ص ۹۹۶، قدیمی کتب خانہ کراچی۔
(۱۳) النحل: ۴۴۔
(۱۴) ماہنامہ معارف (اعظم گڑھ)، مارچ ۱۹۹۸ء ص ۸۶۔
(۱۵) ملاحظہ ہو ''اعلام الموقعین عن رب العالمین'' عنوان ''فتاویٰ امام المتقین۔''
(۱۶) یہ فتاویٰ ۱۹۰۷ء میں اردو ترجمہ کے ساتھ اعزازیہ کتب خانہ دیوبند نے شائع کیے۔
(۱۷) الجوزی، ابن قیم، اعلام الموقعین، ج۱، ص ۱۴، مکتبہ نزار مصطفی الباز، مکہ مکرمہ۔
(۱۸) العانی محمد شفیق، الفقہ الاسلامی، ص ۶، مطبع البیان العربی، ۱۹۶۵ء۔
(۱۹) ماہنامہ دارالعلوم (دیوبند)، جنوری ۲۰۱۲ء ص ۸۔
(۲۰) امینی، محمد تقی، فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر، ص ۴۳، قدیمی کتب خانہ کراچی۔
(۲۱) محاضرات فقہ، ص ۲۲۳۔
(۲۲) الخضری، محمد، تاریخ التشریع الاسلامی، ص ۳۲، قاہرہ ۱۹۶۵ء۔
(۲۳) تاریخ التشریع الاسلامی، ص ۱۳۳۔
(۲۴) معارف (اعظم گڑھ)، فروری ۱۹۹۸ء ص ۹۰۔
(۲۵) محاضرات فقہ، ص ۵۲۱۔
(۲۶) محاضرات فقہ، ص ۵۲۱۔
(۲۷) ایضاً، ص ۵۳۰۔
(۲۸) بزرگ بن شہریار، عجائب الہند، لیڈن، ۱۸۸۶ء۔
(۲۹) سید نوشہ علی، مسلمانان ہندوپاکستان کی تاریخ تعلیم، ص ۱۷۴، کراچی ۱۹۶۲ء
(۳۰) معارف (اعظم گڑھ)، فروری ۱۹۹۸ء ص ۹۴۔
(۳۱) ایضاً، ص ۹۵۔

❁ ❁ ❁